۲ : ۳۵ : ۱ اللغـــة

[وَاِذْ] یہ اس سے پہلے البقرہ: ۵۱ و ۵۳ [۲ : ۳۳ : ۱] اور البقرہ: ۴۹ و ۵۰ [۲ : ۳۲ : ۱] میں گزر چکا ہے۔(یعنی پانچ دفعہ قریباً) ترجمہ اس کا "اور جب کہ" ہی ہوگا۔

[قُلْتُمْ] کا مادہ "ق ول" اور وزن اصلی "فَعَلْتُمْ" ہے۔ اس کی اصلی شکل "قَوَلْتُمْ" تھی۔ اجوف (جیساکہ "ق ول" ہے) سے فعل مجرد کے فعل ماضی کی گردان کے آخری نو صیغوں (جمع مؤنث غائب تا جمع متکلم) میں حرف علت (و یا ی) تلفظ اور کتابت سے ساقط کر دیا جاتا ہے اور ان (نو صیغوں) میں باب نصر اور کرم کی صورت میں فاء کلمہ کو (جو یہاں "ق" ہے) ضمہ (ـُـ) دے دیا جاتا ہے اور باقی تمام ابواب (مجرد) میں ف، کلمہ کو کسرہ (ـِـ) دی جاتی ہے۔ اس طرح قَوَلْتُمْ ۔ قَالْتُمْ (واو متحرک ما قبل مفتوح الف میں بدل گئی) ۔ قَلْتُمْ (التقاء ساکنین "الف ول" کے باعث الف کے گر جانے سے) ۔ قُلْتُمْ (کیونکہ یہ فعل باب نصر سے ہے لہٰذا فاء کلمہ مضموم ہو گیا)

- اس مادہ سے فعل مجرد "قال یقول قولاً" (بمعنی کہنا) کے اب تک متعدد صیغے گزر چکے ہیں (پہلی دفعہ اس کے باب، معنی اور استعمال پر البقرہ: ۸ [۲ : ۱۷ : ۱ (۴)] میں مفصل بات ہو چکی ہے۔

"قُلْتُمْ" اس فعل مجرد سے ماضی معروف کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے جس کا ترجمہ ہے "تم نے کہا:"

[یٰمُوسٰی] میں "یا" تو حرف ندا بمعنی "اے" ہے یعنی "اے موسیٰ" اردو محاورے میں یہاں حرف ندا کا ترجمہ حذف بھی ہو سکتا ہے۔

۲ : ۳۵ : ۱ (۱) [لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ] میں "نؤمن" کا مادہ "ا م ن" اور وزن "نُفْعِلَ" ہے۔ یعنی یہ اس مادہ (أمن) سے باب افعال (آمن یؤمن) کے فعل مضارع کا صیغہ جمع متکلم ہے جو "لَن" کی وجہ سے منصوب ہو کر آیا ہے۔ یہ حرف (لَنْ) مضارع میں بزمانۂ مستقبل زور اور تاکید کے ساتھ انکار اور نفی کے معنی پیدا کرتا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ "ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ" یا صرف "ہرگز نہیں" سے کیا جا سکتا ہے۔ اس مادہ (أمن) سے فعل مجرد کے باب اور معنی وغیرہ پر البقرہ: ۳ [۲ : ۲ : ۱ (۱)] میں بات ہوئی تھی۔ وہاں اس کے باب افعال کے معانی اور استعمال کے ضمن میں یہ بھی بیان ہوا تھا کہ یہ فعل (آمن یؤمن) صلہ کے بغیر اور مختلف صلات کے ساتھ مختلف معنی دیتا ہے مثلاً "آمَنَ بـ ... : کے معنی ہیں "... پر ایمان لانا" اور "آمن لِ ... : کا مطلب ہے "... کو باور کرنا، ... کی بات سچی ماننا، ... کا یقین کر لینا"۔ یہاں زیر مطالعہ عبارت میں جو فعل کے ساتھ "لَكَ" لگا ہے (جس کا لفظی ترجمہ تو "تیرے لیے ہونا چاہیے") اس میں لام الجر (جو ضمیر کے ساتھ مفتوح آیا ہے) فعل (آمن) کا صلہ ہے جس کے معنی اوپر بیان ہوئے ہیں۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

● اسی لیے یہاں اس عبارت (لن نؤمن لک) کا ترجمہ بیشتر اردو مترجمین نے "ہم ہرگز یقین نہ کریں گے تیرا / ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے / ہرگز تیرا یقین نہ کریں گے" سے کیا ہے۔ بعض نے "ہم یقین نہ کریں گے تیرا" سے ترجمہ کر دیا ہے اس میں "لن" کا ترجمہ نظر انداز ہو گیا ہے۔ بعض نے "ہم تو کسی طرح تمہارا یقین کرنے والے نہیں" سے ترجمہ کیا ہے جو محاورے کے لحاظ سے اچھا ترجمہ ہے "ہرگز نہیں" کا مفہوم بھی "تو کسی طرح نہیں" میں آ گیا ہے مگر جملہ فعلیہ کی بجائے جملہ اسمیہ سے ترجمہ کر دیا گیا ہے یہ عبارت سے ہٹنے والی بات ہے اصل عبارت "لن نؤمن لک" ہے مگر ترجمہ "ما نحن بمؤمنین لک" کی صورت میں ہو گیا ہے۔ بعض نے "ہرگز نہ مانیں گے" سے ترجمہ کیا ہے۔ یہاں بھی بعض نے "ہم کبھی ماننے والے نہیں تیری بات" سے ترجمہ کیا ہے۔ یہ بھی محاورہ درست مگر بلاوجہ اصل الفاظ (فعل) سے (اسم کی طرف) انحراف ہے۔ بعض نے "ہم ہرگز باور نہ کریں گے" کو اختیار کیا ہے "باور کرنا، ماننا، یقین کرنا" سب موزوں تراجم ہیں۔ تاہم بعض حضرات نے "ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے" سے ترجمہ کر دیا ہے جو اس عمد (ل) کے ساتھ درست نہیں ہے۔

۲:۱۴۵:۱ (۲) [حتّٰی] بظاہر اس کی شکل ایسی ہے کہ گویا یہ "ح ت ی" مادہ سے باب تفعیل کا صیغہ ماضی (مثل وَصّٰی اور غَشّٰی) ہے۔ مگر یہ فعل نہیں ہے۔ بعض نحوی اسے اسم سمجھتے ہیں اور اس کا مادہ "ح ت ت" اور وزن "فعلیٰ" بتاتے ہیں[1] تاہم اہل لغت کی اکثریت کے نزدیک یہ ایک حرف ہی ہے۔ معاجم (ڈکشنریوں) میں اسے اسی مادہ (ح ت ت) کے تحت ہی بیان کیا جاتا ہے اگرچہ اس کا اس مادہ (حتت) کے مشتقات (اسماء اور افعال) سے بلحاظ معنی کوئی ربط نہیں ہے۔ اور اس مادہ سے قرآنِ کریم میں بھی کوئی اور لفظ (اسم یا فعل) استعمال نہیں ہوا۔

● "حتی" حروفِ عاملہ میں سے ہے اور بلحاظِ معنی اس میں ہمیشہ کسی غایت (کسی ابتداء کی انتہا) کا (یعنی کسی جگہ یا وقت یا شخص یا کام یا چیز "تک" کا) مفہوم ہوتا ہے۔ اس لیے بعض نحوی (بلحاظ معنی) اسے "حرف الغایۃ" بھی کہتے ہیں۔ اس کا مابعد اس کے ماقبل کی غایت اور نہایت یا حد کو ظاہر کرتا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ قریباً ... تک ... کی حد تک" کیا جا سکتا ہے۔

اپنے عمل کے لحاظ سے یہ بنیادی طور پر حروف جارّہ میں شمار ہوتا ہے مگر یہ جارّہ ہونے کے علاوہ کبھی "ناصبہ" ہوتا ہے (نصب دیتا ہے) اور کبھی "عاطفہ" بھی ہوتا ہے (یعنی حسب عطف اعراب دیتا ہے)۔ ہر ایک کی تفصیل یوں ہے:

● حتّی الجارّۃ: یہ قریباً "الیٰ" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور اپنے مجرور کے بارے

---

[1] اور اس کے معنی کسی کام یا چیز سے فراغت (پا لینا) ہیں دیکھیے Lane کی مدالقاموس نیز اللسان تحت "ح ت ت"۔

© rasailojaraid
© rasailojaraid

میں "انتهاء الغاية" کے معنی دیتا ہے۔ اس میں عموماً مجرور سے پہلے غایت (حد) کے ختم ہونے کا مفہوم ہوتا ہے یعنی اس کا مجرور اس غایت (حد) سے باہر سمجھا جاتا ہے مثلاً "اكلتُ السمكةَ حتى راسِها" (میں نے مچھلی اس کے سر تک کھالی یعنی صرف سر نہیں کھایا باقی کھالی)۔ اس کی قرآنی مثال "هي حتى مطلعِ الفجرِ" (القدر: ۵) میں ہے یعنی اس رات (ليلة القدر) کی یہ (سلامتی والی) کیفیت مطلعِ الفجر (طلوع صبح صادق) کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔

● "حَتّٰى" الناصبه: جب "حتی" فعل مضارع سے پہلے آتے تو اس کے ساتھ "اَنْ" مقدر سمجھا جاتا ہے یعنی "حتی" دراصل "حتی اَن" (یہاں تک کہ) ہوتا ہے اور اس لیے یہ فعل مضارع کو لازماً نصب دیتا ہے بشرطیکہ زمانۂ تکلم (جب بات کی جا رہی ہو) کے لحاظ سے وہ فعل زمانہ مستقبل میں (آئندہ) ہو جیسے "لن نبرح عليه عاكفين حتى يرجع الينا موسٰى" (طٰہٰ: ۹۱) میں ہے (یعنی ہم تو اس پر سے نہیں ٹلیں گے یہاں تک کہ موسیٰ واپس آجائیں گے)۔ اور اگر اس فعل (جو "حتی" کے بعد آرہا ہے) کا تعلق زمانۂ تکلم کی نسبت زمانہ ماضی سے ہو تو پھر اس فعل کی رفع اور نصب دونوں جائز ہوتی ہیں۔ جیسے "وزُلزِلوا حتى يقولُ الرسولُ" (البقرہ: ۲۱۴) میں "يقولُ" یا "يقولَ" دونوں طرح (ازروئے قواعد) درست ہے[1]۔ ("وہ ہلا ڈالے گئے حتی کہ رسولؐ کہہ اٹھے")۔ یعنی یہاں "حتی" کے بعد والا فعل (يقول) بمعنی "قال" (ماضی) ہی آیا ہے)

بلحاظ مفہوم یہ (حتی ناصبه) حسبِ موقع تین معنی دیتا ہے۔

① کبھی تو اس میں "انتهاء الغاية" (وقت یا جگہ کی حد) یعنی "اِلٰى أَن" (اس وقت تک کہ، یہاں تک کہ) کے معنی ہوتے ہیں جیسے "حتى يرجعَ الينا موسى" (طٰہٰ: ۹۱) میں ہے۔ (اس کے معنی ابھی اوپر بیان ہوتے ہیں)

② کبھی یہ "تعلیل" (وجہ بتانے) کے لیے آتا ہے یعنی "کَیْ أَن" (تاکہ، اس غرض سے کہ) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے "ولا يزالون يقاتلونكم حتى يردوكم عن دينكم" (البقرہ: ۲۱۷) میں ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ "وہ تم سے لڑتے ہی چلے جائیں گے تاکہ تم کو تمہارے دین سے لوٹا دیں"۔

③ اور کبھی یہ (حتی) "استثناء" کے لیے بھی آتا ہے یعنی "إلّا أَنْ" (سوائے اس کے کہ...)

---

[1] (حاشیہ صفحہ گزشتہ) تاہم یہاں قرآنی قرارت نصب (يقولَ) ہی کی ہے۔ قرارت کی اصل روایت کی سند ہوتی ہے نہ کہ گرامر کے امکانات۔ یہاں صرف گرامر (نحو) کا ایک قاعدہ بیان ہوا ہے یعنی اگر یہ عبارت قرآن میں نہ ہوتی تو "يقول" کو دونوں طرح پڑھنا درست ہوتا۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

کے معنی دیتا ہے جیسے "لن تنالوا البرّ حتی تنفقوا مما تحبون" (آل عمران: ۹۲)
اگر "حتی" فعل ماضی پر داخل ہو تو اس کا کوئی عمل نہیں ہوتا جیسے "حتی عفوا" (الاعراف: ۹۵) میں ہے۔

● "حتی" العاطفہ: کبھی "حتی" کسی اسم سے پہلے بطور حرف عطف بھی آتا ہے اور اس وقت یہ واو العطف (وَ) یعنی "اور" یا "بھی" (أیضًا) کے معنی دیتا ہے اور "حتی" کے بعد آنے والے اسم کا اعراب اس کے ماقبل کا سا ہوتا ہے رفع ہو یا نصب یا جر۔ مثلاً (۱) "رجع الحجاجُ حتی المشاۃُ" (سب حاجی واپس آ گئے اور (یہاں تک کہ) پیدل بھی)۔ یہاں "حتی" نے "المشاۃُ" (جمع ماشٍ) کو رفع دی ہے کیونکہ یہ سابق فاعل (الحجاجُ) پر عطف ہے۔ (۲) "اکلتُ السمکۃَ حتی راسَھا" (میں نے مچھلی کھالی اور (یہاں تک کہ) اس کا سر بھی کھا لیا۔ یہاں "حتی" نے "راسھا" کو نصب دی ہے کیونکہ یہ سابق مفعول "السمکۃ" پر عطف ہے۔ (اس جملے کا اوپر "حتی الجارّۃ" کے تحت بیان کردہ اسی قسم کے جملے سے مقابلہ کیجئے اور دونوں جملوں میں "راسَھا" کے اعراب نصب وجر کی وجہ اور معنی کے فرق پر غور کیجئے۔) اور (۳) "عجبتُ من القوم حتی بنیھِم" (مجھے وہ لوگ پسند آئے اور (یہاں تک کہ) ان کے بیٹے بھی)۔ یہاں "حتی" کے بعد "بنیھم" سابق مجرور بالجر "القوم" پر عطف ہو گیا ہے۔

● "حتی" کے بارے میں مندرجہ بالا تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اس حرف (حتّٰی) کا اُردو ترجمہ حسب موقع مندرجہ ذیل صورتوں میں کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) یہاں تک کہ (۲) جب تک کہ (اردو محاورے کے مطابق اس کے بعد ایک منفی جملہ لگانا پڑتا ہے یعنی "حتی" کے بعد والے فعل کا ترجمہ نفی کے ساتھ کرنا پڑتا ہے اس کی وضاحت ابھی آگے "نری" کے ترجمے کے ذریعے ہو گی) (۳) سوائے اس کے کہ (۴) نتیجہ یہ کہ (۵) ..... تک (۶) ..... بھی (۷) ..... سمیت (۸) تاکہ (۹) ..... تک بھی (۱۰) اور ..... بھی (۱۱) اور خود "حتی کہ" جو اردو میں بھی مستعمل ہے۔

"حتی" کے متعلق یہ امور ذہن میں رکھیے یہ آگے چل کر "حتی" کے معنی سمجھنے اور متعین کرنے میں مدد دیں گے۔

۲: ۵۵: ۱ (۳) [نَرَی اللّٰہَ] اسم جلالت (اللہ) کی لغوی بحث الفاتحہ: ۱ [۱: ۱: ۱ (۲)] میں گزر چکی ہے اور اعرابی بحث آگے آئے گی۔ "نَرَی" کا مادہ "ر أ ی" اور وزن اصلی "نفعَلُ" ہے۔ اس کی اصلی شکل "نَرْأَیُ" بنتی تھی جس میں "ی" متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل جاتی ہے (لفظ "نرأَی" ہو جاتا

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

ہے)۔ پھر خلافِ قیاس ہمزہ کی فتحہ (ـَ) اس کے ماقبل صحیح ساکن (ر) کو دے دی جاتی ہے (عام طور پر صرف حرفِ علت "و یا ی" کی حرکت ہی ماقبل ساکن حرفِ صحیح کو منتقل ہوتی ہے ہمزہ حرفِ علت نہیں ہے) اور ہمزہ (عین کلمہ) کو بھی حرفِ علت کی طرح تلفظ اور کتابت سے ساقط کر دیا جاتا ہے یعنی نَرْ أَیُ = نَرْأَیٰ (جس کا تلفظ "نَرْآ" بنتا ہے) = نَرَأْیٰ (جس میں ساکن ہمزہ کا الف مقصورہ (ی) سے پہلے تلفظ ممکن نہیں لہٰذا اسے بھی گرا دیا جاتا ہے) = نَرَیٰ (جس کا تلفظ "نَرَا" رہ جاتا ہے اور ہمارے ضبط کے مطابق "نَرٰی" لکھا جاتا ہے) مگر یہاں اسے آگے ملانے کے لیے "نَرَیٰ" ہی لکھا گیا ہے یعنی "نَرَ" آگے اسمِ جلالت "اللہ" سے ملا کر پڑھی جاتی ہے۔ مزید وضاحت بحث "الضبط" میں ہوگی۔

● اس ثلاثی مادہ سے فعل مجرد "رَأَیٰ ...... یَرَی" (دراصل رَأَیَ یَرْأَیُ) رُؤْیَۃً (باب فتح سے) آتا ہے اور اس کے معنی "...... کو آنکھ سے دیکھنا" ہوتے ہیں۔ اور اسی باب سے مگر "رُؤْیًا" مصدر کے ساتھ اس فعل کے معنی "خواب میں دیکھنا" ہوتے ہیں۔ اور یہی فعل اس باب سے "رَأْیٌ" مصدر کے ساتھ "عقل سے دیکھنا" کے معنی دیتا ہے جسے اردو میں "رائے رکھنا" بھی کہتے ہیں۔

● اس فعل کے صیغہ ماضی میں بھی "رَأَیَ" کی یاءِ متحرکہ ماقبل مفتوح الف میں بدل کر صیغہ "رَأَیٰ" ہو جاتا ہے جسے "رَآ" پڑھا جاتا ہے۔ اور صیغہ مضارع "یَرْأَیُ" اور "نَرْأَیُ" کے لیے بیان کردہ قاعدہ کے مطابق "نَرَیٰ" ہو جاتا ہے جسے "نرا" پڑھا جاتا ہے = چونکہ یہ ایک فعل ناقص ہے (جس میں لام کلمہ "ی" ہے) اور پھر اس میں ہمزہ سے بھی حرف علت کا معاملہ (اجوف کی طرح) ہو جاتا ہے اس لیے اس کے دیگر صیغوں میں بھی اصلی شکل بدل جاتی ہے یعنی عربوں کا طریق تلفظ اسے مختلف شکلیں دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اس فعل مجرد سے اٹھارہ کے قریب صیغے (رأی - رأت - رأوا - رأیتَ - رأیتُم - رأینَ - أری - لم أرَ - لم ترَ - ترَی - ترَوْنَ - لم ترَوا - ترَوُنَّ - ترَیِنَّ - نرَی - یرَی - یرَوْنَ - یرَوا - یُرَی) ۱۴۷ مقامات پر آئے ہیں۔

● اس فعل سے فعل امر مخاطب "رَ - رَیَا - رَوا - رَیْ - رَیَا - رَیْنَ" کی صورت میں استعمال ہوتا ہے (جن کی اصلی شکل "اِرْأَیْ - اِرْأَیَا - اِرْأَوْا - اِرْأَیِیْ - اِرْأَیَا اور اِرْأَیْنَ" تھی) امید ہے آپ ہر صیغے میں ہونے والی تعلیل کو سمجھ لیں گے۔ تاہم قرآن مجید میں اس فعل مجرد سے فعل امر کا کوئی صیغہ کہیں استعمال نہیں ہوا۔

فعل مجرد کے علاوہ اس مادہ (رأی) سے مزید فیہ کے ابواب افعال، تفاعل اور مفاعلہ سے مختلف

© rasailojaraid

صیغہ ہائے فعل قریباً پچاس جگہ اور مختلف اسمائے مشتقہ اور مصادر قرآن کریم میں ۱۲ جگہ وارد ہوئے ہیں۔

● زیر مطالعہ لفظ "نری" اس فعلِ مجرد (رأَی یَرَی) سے فعل مضارع منصوب کا صیغہ جمع متکلم ہے۔ اس کا ترجمہ "ہم دیکھتے ہیں" یا "ہم دیکھیں گے" کے ساتھ ہو سکتا ہے مگر یہاں اس سے پہلے "حتیٰ" آگیا ہے[1] جس کا ترجمہ یہاں "یہاں تک کہ" یا "جب تک کہ" کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔ بظاہر یہ دونوں ترجمے "یکساں" ہیں مگر اردو محاورے میں ان کا استعمال مختلف ہے۔ "یہاں تک کہ" کے ساتھ تو "حتیٰ" کے بعد آنے والے فعل کا ترجمہ اسی طرح مثبت جملے کی شکل میں ہو سکتا ہے جس طرح اصل عربی میں ہے یعنی "یہاں تک کہ دیکھیں ہم اللہ کو" اور "یہاں تک کہ ہم (خود) دیکھ لیں اللہ کو" کی صورت میں۔ تاہم بہت کم مترجمین نے اس طرح (مثبت) ترجمہ کیا ہے۔ بیشتر مترجمین نے "جب تک کہ" کے ساتھ ترجمہ کیا ہے۔ اور اردو محاورے میں اس (جب تک کہ) کے بعد منفی جملہ لانا پڑتا ہے۔ اس لیے ان حضرات کو یہاں "نری" کا ترجمہ "لانری" کی طرح کرنا پڑا (حالانکہ عربی میں "حتیٰ" کے بعد جملہ مثبت ہی ہے یعنی "حتی نری اللہ" کا ترجمہ "جب تک ہم خدا کو دیکھ نہ لیں" یا "جب تک ہم خدا کو نہ دیکھ لیں" کی صورت میں کیا ہے) ___ بیشتر مترجمین نے یہاں "نری" کی ضمیر فاعلین (نحن) کا ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور صرف "جب تک کہ نہ دیکھیں اللہ کو"، "جب تک کہ دیکھ نہ لیں اللہ کو"، "جب تک خدا کو دیکھ نہ لیں" اور "جب تک اللہ کو دیکھ نہ لیں" کی صورت میں ترجمہ کر دیا ہے۔ جو بلحاظ محاورہ درست سہی تاہم "نحن" (ہم) کے ساتھ ترجمہ کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس کے بغیر ترجمہ سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ دیکھنے والے "ہم" ہیں یا "وہ" ہیں یا "آپ" ہیں۔ ضمیر "ہم" لگانے سے ترجمہ واضح ہو جاتا ہے۔

۲ : ۳۵ : ۱ (۴) [جَهْـرَةً] کا مادہ "ج ہ ر" اور وزن (بصورت رفع) "فَعْلَةٌ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد مختلف ابواب سے مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً (۱) جَهَر یجهَر جَهْرًا (باب فتح سے) کے ایک معنی "ظاہر ہونا، کھلم کھلا ہونا" (فعل لازم) ہوتے ہیں۔ زیادہ تر اس کا تعلق آنکھ یا کان سے ہوتا ہے یعنی "ظاہر دکھائی دینا یا کھلم کھلا سنائی دینا"۔ اور اسی باب سے فعل کو باء (بِ) کے ساتھ متعدی بھی استعمال کیا جاتا ہے یعنی "جهَر بالکلامِ / بالقولِ" = (بات کو) آواز بلند کہنا یا بولنا"۔ اور باء کے بغیر بھی متعدی استعمال ہوتا ہے مثلاً "جهَر الکلامَ" کے معنی بھی وہی

---

[1] اس کے استعمال اور معانی پر ابھی اوپر [۲ : ۳۵ : ۱ (۲)] میں بحث ہو چکی ہے۔ یہاں اسی کی وجہ سے مضارع منصوب ہوا ہے۔ مزید بحث "الاعراب" میں آئے گی۔

© rasailojaraid

ہیں جو "جھر بالکلام" کے ہیں۔ بلند آواز (قدرتی) والے آدمی کو "جھیرُ الصوتِ" کہتے ہیں۔ اور اسی باب (فتح) سے اسی مصدر کے ساتھ اس فعل کے معنی "کسی چیز کو کھلم کھلا سامنے دیکھنا" بھی ہوتے ہیں مثلاً کہتے ہیں جھَرَ الشیئَ = اس نے چیز کو کھلم کھلا دیکھا (اس کا فعل لازم جھرَ الشّیئُ = چیز کھلم کھلا نظر آئی" سے مقابلہ کیجیے) ۔ اور اسی باب سے "جھَرتِ الشمسُ فلانًا" کے معنی "سورج نے فلاں کی آنکھیں چندھیا دیں" بھی ہوتے ہیں۔ (۲) جھِر یجھَر جھَرًا (باب سمع سے) کے معنی "سورج کی روشنی کے باعث آنکھوں کا چندھیا جانا" ہوتے ہیں مثلاً کہتے ہیں "جھِرت العینُ" آنکھ چندھیا گئی۔ اور (۳) جھُر یجھُر جِھَارۃً (باب کرم سے) آئے تو اس کے ایک معنی تو "آواز کا بلند ہونا" ہوتے ہیں۔ نیز اس کے معنی "جسم (اور جسمانی حسن) کا بھرپور (مکمل) ہونا" بھی ہوتے ہیں ایسے مرد کو "اَجْھَرُ" اور مؤنث کو "جَھْرَاءُ" کہتے ہیں۔

● عربی ڈکشنریوں میں آپ کو اس فعل مجرد کے مندرجہ بالا بیان کردہ کے علاوہ اور بھی متعدد معانی اور استعمالات مل جائیں گے۔

© rasailojaraid

تاہم قرآن کریم میں (بلحاظ باب و معنی) صرف (مندرجہ بالا) پہلا استعمال "جھَر یجھَر" ہی آیا ہے۔ اور وہ بھی ہر جگہ "متعدی بالباء" ہو کر (فعل) آیا ہے بمعنی "بلند آواز سے بولنا یا آواز کو بلند کرنا"۔ اس فعل مجرد سے چار مختلف صیغے چار ہی جگہ آئے ہیں۔ فعل مجرد کے علاوہ اس مادہ سے فعل مجرد کا مصدر "جَھْرٌ" معرفہ نکرہ مفرد مرکب مختلف صورتوں میں ۹ جگہ آیا ہے۔ اور باب مفاعلہ سے صرف مصدر "جِھارٌ" ایک ہی جگہ آیا ہے۔ ان پر حسبِ موقع بات ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

● زیر مطالعہ لفظ "جَھْرَۃً" کو بعض نے اس فعل (جھَرَ یجھَر) کا ایک مصدر قرار دیا ہے[1] یعنی "ظاہر ہونا یا کرنا"۔ اکثر اصحاب لغت نے اسے اسم صفت کہا ہے[2] یعنی "ما ظھرَ" (آشکار، ظاہر باہر، کھلم کھلا) کے معنی میں لیا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں "رآہ جھرۃً = اس نے اس کو بلا حجاب بغیر کسی اوٹ یا پردہ کے دیکھا" اور "کلّمہ جھرۃً" اس نے اس سے کھلم کھلا بات کی۔

● مندرجہ بالا معانی کو مدنظر رکھتے ہوئے اردو مترجمین نے زیر مطالعہ آیت میں "جھرۃً" کا ترجمہ "ظاہر، سامنے، علانیہ طور پر، ظاہر میں، علانیہ اور کھلم کھلا" سے کیا ہے۔ اس پر مزید بحث آگے "الاعراب" میں آئے گی جس میں اس ترجمہ کی نحوی بنیاد کے متعلق بات کی جائے گی۔

---

[1] مثلاً المنجد، اعراب القرآن للنحاس ج ۱ ص ۲۲۷، التبیان للعکبری ج ۱ ص ۶۴۔

[2] دیکھئے القاموس للفیروز آبادی۔ المعجم الوسیط، Lane کی مد القاموس اور اقرب الموارد "تحت مادہ "جھرہ"۔

© rasailojaraid

[فَاَخَذَتْكُمُ] یہ فاء (فَ) عاطفہ بمعنی "پس، تو پھر" + اَخَذَتْ (جس پر ابھی بات ہوگی) + ضمیر منصوب "كُمْ" (جس کی میم کو آگے ملانے کے لیے ضمہ (ـُ) دیا گیا ہے) بمعنی "تم کو" کا مرکب ہے۔ "اَخَذَتْ" کا مادہ "ا خ ذ" اور وزن "فَعَلَتْ" ہے۔ یعنی یہ اس فعل مجرد سے فعل ماضی کا صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "اَخَذَ یَأْخُذُ اَخْذًا" (پکڑنا، گرفت کرنا، لینا وغیرہ) کے باب اور معانی وغیرہ پر البقرہ: ۴۸ [۲: ۳۱: ۱(۵)] میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔ اردو مترجمین نے یہاں "پکڑنا" کے علاوہ "آلینا" "آپڑنا" "آدبوچنا، گھیر لینا" سے بھی ترجمہ کیا ہے یعنی "فَاَخَذَتْكُمْ" کا ترجمہ "پس / تو پھر پکڑا تم کو، تمہیں پکڑ لیا، لیا تم کو، آلیا تم کو، آلیا تمہیں، تم کو آلیا، تم کو آ گھیرا، آ دبوچا تم کو، تم کو دبوچ لیا اور آپڑی تم پر" ہے۔ ظاہر ہے ان میں سے بعض تراجم (مثلاً دبوچنا، گھیرنا، آپڑنا) اردو محاورے کے لحاظ سے زوردار تراجم تو ہیں مگر اصل فعل کے مفہوم سے ضرور ہٹ کر ہیں۔

۲: ۳۵: ۱(۵) [الصّٰعِقَةُ] جس کی رسم املائی "الصاعقة" ہے اس کا مادہ "ص ع ق" اور وزن لام تعریف + فاعِلَةٌ [illegible] ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد "صَعِقَ يَصْعَقُ صَعْقًا و صَعَقًا (سمع و فتح سے) کے معانی اور استعمال پر نیز لفظ "صاعقة" کی مکمل وضاحت اس سے پہلے البقرہ: ۱۹ [۲: ۱۴: ۱(۹)] میں کی جاچکی ہے۔ اسی لیے بیشتر اردو مترجمین نے "الصاعقة" کا ترجمہ "بجلی نے"، "کڑک نے" اور "بجلی کی کڑک نے" سے ہی کیا ہے۔ یہ "نے" اردو میں سابقہ متعدی فعل "فاخَذَتكم" (تو پھر آپکڑا تم کو / آلیا تم کو) کے فاعل کی مناسبت سے لگانا پڑتا ہے۔ ورنہ "الصاعقه" کے اصل معنی تو "بجلی" یا "کڑک" ہی ہیں۔

[وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ] یہ ایک پورا جملہ ہے جس میں "وَ" عاطفہ یا حالیہ (بمعنی "اور" یا اس حالت میں کہ) ہے اور "انتم" ضمیر مرفوع منفصل بمعنی "تم" ہے۔ "تَنْظُرُوْنَ" کا مادہ "ن ظ ر" اور وزن "يَفْعُلُوْنَ" ہے۔ اس مادہ سے فعل مجرد نظر ینظر نظرًا (دیکھنا، نظر ڈالنا وغیرہ) کے باب، معنی اور استعمال پر البقرہ: ۵۰ [۲: ۳۲: ۱(۱۴)] میں بات گزر چکی ہے۔ بلکہ خود یہی جملہ (وانتم تنظرون) اور اس کے تراجم۔ (اور تم دیکھتے تھے، اور تم دیکھ رہے تھے، تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، تم دیکھا کیے" وغیرہ) بھی وہاں بیان ہو چکے ہیں۔

۲: ۳۵: ۱(۶) [ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ] یہ ثُمَّ + بعثنا + کم کا مرکب ہے "ثُمَّ" (بمعنی پھر، اس کے بعد) کے معنی اور استعمال پر قدرے تفصیلی بات البقرہ: ۲۸ [۲: ۲۱: ۱(۴)] میں ہوئی تھی۔ آخری ضمیر منصوب "کم" بمعنی "تم کو" ہے۔ فعل "بعثنا" (جس کے رسم قرآنی پر آگے "الرسم" میں بات ہوگی) کا مادہ [illegible] اور وزن "فَعَلْنَا" ہے۔ اس سے فعل مجرد "بعَث ... يبعَث بَعْثًا و بِعْثَةً"

© rasailojaraid.

(باب فتح سے) کے بنیادی معنی تو ہیں "۔۔۔۔ کو اٹھا دینا یا اٹھانا" مثلاً کہتے ہیں "بعثَ النّاقۃَ" "اس نے بیٹھی ہوئی (بارکۃ) اونٹنی کو اس کی ٹانگ کی رسی (عقال) کھول کر آزاد کر چھوڑا۔ اٹھا کر کھڑا کر دیا" پھر ان ہی بنیادی معنی سے اس فعل میں کئی اور معنی پیدا ہوتے ہیں مثلاً (۱) نیند سے اٹھا دینا جگا دینا۔ کہتے ہیں بعث فلاناً من نومہ: (اس نے فلاں کو اس کی نیند سے اٹھا دیا)۔ (۲) پھر اسی سے یہ فعل "مردوں کو جِلا دینا۔ دوبارہ زندہ کرنا" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے "والموتٰی یبعثُھُم اللہ" (الانعام: ۳۶) (اور جو مر چکے ہیں اللہ ان کو دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائے گا)۔ یہ استعمال قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے اور (۳) یہ فعل ۔۔۔۔۔ (صرف کسی خاص شخص کو) یا (اسی کو ہی) بھیجنا" کے معنی بھی دیتا ہے یعنی کسی خاص مقصد کے لیے بھیجنا۔ اسی سے یہ فعل قرآن کریم میں انبیا کے اپنی قوموں میں کھڑے ہونے (یا بھیجے جانے) کے معنی میں استعمال ہوا۔ جیسے "ولقد بعثنا فی کل امۃٍ رسولاً" (النحل: ۳۶) (اور ضرور ہم نے ہر امت میں ایک رسول اٹھایا (بھیجا))۔

● قرآن کریم میں اس فعل کا مشہور استعمال "بعثت انبیاء" اور "بعثت بعد الموت" کے لیے ہی ہوا ہے اگرچہ اس کے علاوہ یہ فعل دیگر متعدد معانی کے لیے بھی استعمال ہوا ہے مثلاً (سابقہ چار معانی کے علاوہ) (۱) ۔۔۔۔ کو آمادہ کرنا، (۲) ۔۔۔۔ کو پہنچانا، (مقام پر) فائز کرنا (۳) بیدار کرنا۔ (۴) مقرر کرنا (۵) برپا کرنا (۶) آزاد کر دینا۔

عام طور پر یہ فعل متعدی مفعول بنفسہ کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے۔ کبھی اس کا متعلق فعل "ب، الی، علی یا مِن" کے صلہ کے ساتھ آتا ہے۔ اس کے مندرجہ بالا معانی اور استعمالات کی مثالیں آگے چل کر ہمارے سامنے آئیں گی۔ ان شاء اللہ۔

● زیر مطالعہ لفظ "بعثنا" اس فعل مجرد سے فعل ماضی معروف صیغہ جمع متکلم "نحن" ہے۔ مندرجہ بالا معانی کو مدنظر رکھتے ہوئے بیشتر اردو مترجمین نے اس عبارت (ثم بعثنا کم) کا ترجمہ "پھر اٹھا کھڑا کیا ہم نے تم کو" سے ہی کیا ہے۔ بعض نے "پھر جلایا ہم نے تم کو / ہم نے تمہیں زندہ کیا / از سر نو زندہ کر دیا" سے ترجمہ کیا ہے۔ جب کہ بعض نے "زندہ کرنا" اور "اٹھانا" کو ملا کر ترجمہ "ہم نے تم کو زندہ کر اٹھایا / جلا اٹھایا" کی صورت میں کیا ہے۔ یہاں "زندہ کر اٹھانا" سے مراد کیا ہے اس کے لیے کسی مستند تفسیر کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

[مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ] جو مِنْ + بعد (کے بعد) + مَوْت (موت) + کم (تمہاری) کا مرکب ہے "بعد" اور "من بعد" کے استعمال اور معنی پر البقرہ: ۵۱ [۲:۳۱:۱(۷)] میں بات ہو چکی ہے (لفظ موت ۔۔۔ [illegible] قرآن کریم میں مفرد مرکب واحد جمع مختلف صورتوں میں پچاس سے زائد جگہ آیا ہے)

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اردو میں عام مستعمل ہے اور اس کا ترجمہ کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی۔ تاہم اس کی لغوی اصل (مادہ)، وزن، باب اور معنی استعمال کی وضاحت البقرہ : ۱۹ [۲ : ۱۴ : ۱ (۱۳)] اور البقرہ : [۲ : ۲۱ : ۱ (۲)] میں کی جا چکی ہے۔ یہاں "من بعد موتکم" کا سادہ لفظی ترجمہ تو "تمہاری موت کے بعد" بنتا ہے تاہم بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ "مر گئے پیچھے" "تمہارے مرجانے کے بعد" تمہاری موت کے بعد، مرے پیچھے اور موت آجانے کے بعد" سے کیا ہے۔ خیال رہے کہ اس "موت کے بعد" کے ذکر کی وجہ سے سابقہ فعل "بعثنا" کا ترجمہ "زندہ کر دینا" کے ساتھ موزوں تھا۔ اگرچہ لفظی ترجمہ "اٹھا دینا" میں بھی مفہوم زندہ کرنے کا ہی تھا۔

[لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ] ٹھیک یہی جملہ اس سے پہلے البقرہ : ۵۲ [۲ : ۳۳ : ۱ (۱۰)] میں گزر چکا ہے۔ اور اس کی لغوی تشریح اور تراجم بھی وہاں بیان ہو چکے ہیں۔

۲ : ۵۵ ، ۵۶ الاعراب

زیر مطالعہ دو آیات دراصل تو پانچ جملوں پر مشتمل ہیں۔ جو لحاظ معنی ہی نہیں بلکہ فاۓ عاطفہ، واو حالیہ اور "ثم" عاطفہ کے ذریعے بھی باہم مربوط ہیں۔ ہر ایک حصے کی الگ الگ اعرابی بحث یوں ہے:

(۱) واذ قلتم یموسی ۔ لن نؤمن لك حتی نری اللہ جھرۃً :

[وَ] استیناف کی بھی ہو سکتی ہے اور سابقہ جملے (آیت) پر عطف کے لیے بھی [اِذْ] ظرفیہ (بمعنی جس وقت، جب) ہے جو ایک فعل محذوف "اذکروا" سے متعلق ہے ("وَاِذْ" کی ترکیب گزشتہ آیات میں کئی بار آئی ہے) [قُلْتُم] فعل ماضی معروف مع ضمیر فاعلین مستتر "انتم" ہے۔ [یا] حرف ندا اور [موسی] منادی مفرد (لہٰذا) مرفوع ہے اسم مقصور ہونے کے باعث علامت رفع ظاہر نہیں ہے [لَنْ] حرف نفی ہے جو فعل مضارع کو نصب دیتا ہے اور اس میں مستقبل کے معنی پیدا کرتا ہے (یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ) [نؤمن] فعل مضارع منصوب بِلَنْ ہے جس میں ضمیر فاعلین "نحن" مستتر ہے۔ [لَكَ] جار (لِ) اور مجرور (كَ) مل کر متعلق فعل "نؤمن" ہیں یا "لام" کو فعل (نؤمن) کا صلہ سمجھ لیں تو "لك" یہاں محلاً (بطور مفعول) منصوب ہے۔ [حتی] حرفِ غایت وجر ہے جو یہاں "اِلَّا اَنْ" کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے یعنی "سوائے اس کے کہ" — اور "اِلٰی اَنْ" یعنی "یہاں تک کہ" اور "جب تک کہ نہ" کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے یعنی دونوں بلکہ تینوں طرح ترجمہ ممکن ہے۔ [نری] فعل مضارع منصوب بہ "حتی" صیغہ جمع متکلم ہے یعنی "حتی" کے بعد "اَنْ" مقدر ہے اس کی اصل شکل مرفوع "نَرْأَیُ" اور منصوب "نَرْأَیَ" تھی۔ دونوں صورتوں میں آخری یاء متحرکہ اپنے ماقبل کے مفتوح ہونے کے باعث الف میں بدل جاتی ہے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

اور یوں یہ فعل (نری) ہو کر رفع اور نصب دونوں صورتوں میں یکساں رہتا ہے علامت نصب ظاہر نہیں ہوتی۔ بلکہ تمام ناقص افعال کے مضارع میں جہاں عین کلمہ مفتوح ہو (باب سمع یا فتح سے) سب میں یہی قاعدہ لاگو ہوتا ہے (مثلاً یسعیٰ۔ لن یسعیٰ۔ یرضی۔ لن یرضی وغیرہ) البتہ ضرب یضرب سے مضارع منصوب میں آخری "یاء" مفتوح آتی ہے مثلاً "یرمِیْ" سے "لن یرمِیَ" ہو گا۔ [اللّٰه] فعل "نری" کا مفعول بہٖ (لہٰذا) منصوب ہے۔ علامتِ نصب آخری "ہ" کا فتحہ (ـَ) ہے۔ [جَهْرَةً] کی نصب کی دو تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

① اگر اسے فعل جہر یجہر کا ایک مصدر (جہرًا کی طرح) سمجھیں (دیکھئے اوپر بحث اللغہ) تو پھر یہ مصدر بمعنی اسم الفاعل اسم جلالت (اللّٰه) کا حال ہو کر نصب میں بنتا ہے یعنی "نراہ ظاھرًا غیر مستور" اور ترجمہ ہو گا "ہم اللہ کو دیکھیں کھلم کھلا (ہوتے ہوئے) یعنی اس حالت میں کہ وہ کھلم کھلا ظاہر ہو"۔

② اگر جہرۃ کو ایک اسم صفت (بمعنی ظاہر۔ آشکار) سمجھا جائے تو یہ یہاں ایک مفعول مطلق مصدر محذوف کی صفت سمجھا جا سکتا ہے۔ یعنی تقدیر عبارت ہو گی "نری اللّٰه رؤیۃً جھرۃً" (ہم اللہ کو دیکھیں ایسا دیکھنا جو کھلم کھلا اور ظاہر باہر ہو بغیر کسی رکاوٹ کے)۔ ان دونوں صورتوں میں "جھرۃ" کا تعلق فعل "نری" سے ہی بنتا ہے۔

③ ایک امکان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "جھرۃ" کا تعلق فعل "قلتم" کی ضمیر فاعلین کے ساتھ ہو اور اس میں بھی دونوں صورتیں ممکن ہیں کہ "قلتم جھرۃً" (بصورت مصدر حال بمعنی اسم الفاعل یعنی مجاھرِیْن) سمجھا جائے یعنی "تم نے کھلم کھلا ہو کر یہ کہا"۔ یا اس میں بھی "جھرۃ" کو صفت مانا جائے تو مقدر عبارت "قلتم قولاً جھرۃً" (اس میں "ۃ" تانیث کی نہیں بلکہ مبالغہ کی سمجھی جائے گی) اس کا ترجمہ بھی "تم نے ببانگِ دہل (کھلم کھلا) کہہ دیا تھا" ہو گا۔

● مندرجہ بالا ما اور ما تراکیب کا ماحصل ایک ہی بنتا ہے یعنی اللہ کو کھلم کھلا، علانیہ، سامنے ظاہر دیکھنا — اور قریباً تمام مترجمین نے ان ہی دو ترکیبوں کے مطابق ترجمہ کیا ہے (تراجم کے لیے دیکھئے مندرجہ بالا حصہ "اللغہ") تیسری ترکیب کی نحوی گنجائش موجود ہے تاہم کسی مترجم نے اس کے ساتھ ترجمہ نہیں کیا۔ سب نے ترجمہ میں اسی ترکیب کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حالانکہ لغت اور اعراب دونوں لحاظ سے "جھرۃ" کا تعلق "قلتم" اور "نری" دونوں کے ساتھ ہو سکتا ہے (دیکھئے حصہ اللغہ میں "جھر" کے معنی)

● اس مرکب فقرے میں "یا موسیٰ" سے لے کر "جھرۃ" تک کی عبارت فعل "قلتم" کا مقول (حکایۃ القول) ہونے کی وجہ سے مفعول بہ اور لہٰذا محلاً منصوب شمار ہو گی۔

(۲) فأخذتکم الصاعقة

فا۔ [ف] عاطفہ سببیہ ہے یعنی پھر اس کے سبب سے یہ ہوا کہ۔ [اخذتکم] میں "اخذت" فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب ہے جس کی تانیث اس کے فاعل "الصاعقة" کی وجہ سے ہے جو آگے مذکور ہے۔ اور "کُمْ" ضمیر منصوب یہاں فعل "اخذت" کا مفعول بہ مقدم ہے (مفعول ضمیر ہو تو عموماً فاعل سے مقدم (پہلے) آتی ہے) [الصاعقة] فعل "اخذت" کا فاعل (لہٰذا) مرفوع ہے علامت رفع آخری "ۃ" کا ضمہ (ـُ) ہے۔

یہ جملہ (۲) اپنی جگہ مستقل جملہ فعلیہ ہے تاہم بلحاظ معنی اس کا تعلق مندرجہ بالا جملہ (۱) سے ہی ہے۔ کیونکہ وہ (پہلا جملہ) اس (بجلی کے گرنے) کا سبب بیان کرتا ہے اور یہ دوسرا جملہ فائے عاطفہ کے ذریعے اس (پہلے) کے ساتھ مربوط بھی ہے۔

(۳) وانتم تنظرون

[وَ] حالیہ ہے یعنی "اس حالت میں کہ"۔ اگرچہ بعض نے اس کا ترجمہ "عاطفہ" کی طرح "اور" سے ہی کر دیا ہے۔ [انتم] ضمیر مرفوع منفصل یہاں مبتداء ہے اور [تنظرون] فعل مضارع مع ضمیر فاعلین "انتم" (مستتر) جملہ فعلیہ بن کر "انتم" (مبتداء) کی خبر ہے۔ اور یہ پورا جملہ اسمیہ (وانتم تنظرون) "فاخذتکم" کی ضمیر فاعل یا مفعول کا حال بنتا ہے۔ یعنی تم دیکھ رہے تھے کہ وہ پکڑ رہی تھی اور تم کو ہی پکڑ رہی تھی۔

(۴) ثم بعثناکم من بعد موتکم

[ثم] حرف عطف ہے جو ترتیب اور تراخی کو ظاہر کرتا ہے یعنی "اس کے پیچھے کچھ دیر (وقت) کے بعد (ایسا ہوا کہ)" [بعثناکم] میں "بعثنا" فعل ماضی مع ضمیر تعظیم "نحن" ہے اور "کُمْ" ضمیر منصوب برائے مفعول بہ ہے [من بعد] جار مجرور و مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ [موتکم] ہے جو خود بھی مضاف (موت) اور مضاف الیہ (کُمْ) ہے اس میں لفظ مضاف الیہ اور مضاف (دونوں) ہونے کے باعث مجرور بھی ہے اور خفیف بھی۔ یہ سارا مرکب جاری (من بعد موتکم) فعل "بعثنا" سے متعلق ہے۔ بلکہ یہ ظرف ہونے کے باعث اس فعل (بعثنا) کے وقت کو بیان کرتا ہے۔

(۵) لعلکم تشکرون

[لعل] حرف مشبہ بالفعل اور [کم] ضمیر منصوب اس کا اسم (منصوب) ہے۔ [تشکرون] فعل مضارع اپنی مستتر ضمیر الفاعلین "انتم" سمیت جملہ فعلیہ ہو کر "لعل" کی خبر (محلاً مرفوع) ہے

© rasailojaraid.

اور یہ جملہ اسمیہ بلحاظ معنی جملہ ۴ کے ساتھ مربوط ہے۔ کیونکہ اس (جملہ ۵) میں ایک طرح سے اس (جملہ ۴) کا متوقع نتیجہ بیان ہوا ہے۔

۲ : ۳۵ : ۳ الرسم

زیر مطالعہ دو آیات (۵۵ - ۵۶) کے تمام کلمات کا رسم املائی اور قرآنی یکساں ہے البتہ تین کلمات کا رسم عثمانی (قرآنی) عام املاء سے مختلف ہے۔ یعنی "یموسیٰ" الصعقۃ اور بعثنکم" کا۔ تفصیل یوں ہے:

(۱) "یٰمُوسٰی" جس کا رسم املائی "یاموسٰی" ہے۔ قرآن کریم میں یہاں اور ہر جگہ (قرآن کریم میں یہ ترکیب ندائی ۲۴ دفعہ آئی ہے) "بحذف الالف بعد الیاء" لکھا جاتا ہے۔ بلکہ یہ قاعدہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حرف ندا "یا" قرآن کریم میں ہر جگہ بحذفِ الالف اور اپنے منادی کے ساتھ ملا کر لکھا جاتا ہے پھر بذریعہ ضبط اس "الف" کو ظاہر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ پڑھا ضرور جاتا ہے۔

(۲) "الصّٰعِقَۃ" جس کا رسم املائی باثباتِ الالف "الصاعقہ" ہے۔ یہ لفظ مفرد و مرکب معرفہ نکرہ مختلف صورتوں میں قرآن کریم کے اندر کل چھ دفعہ آیا ہے سورۃ البقرہ اور النساء میں ایک ایک دفعہ سورۃ فصلت (حٰم السجدہ) میں تین دفعہ اور سورۃ الذاریات میں ایک جگہ۔ اس کے رسم میں اختلاف ہے۔ یہاں (البقرہ: ۵۵) میں تو بالاتفاق یہ بحذف الالف بعد الصاد (الصعقہ) لکھا جاتا ہے الدانی اور الشاطبی نے اس کے صرف اسی جگہ (ھنا) حذف الالف کی تصریح کی ہے[۱]۔ باقی مقامات کے بارے میں صرف ابوداؤد سے حذف الف منسوب ہے۔ صاحب نثر المرجان نے تمام (چھ) مقامات پر حذف الالف کو علمائے رسم کا "اتفاق" قرار دیا ہے اور پھر کشاف اور سیوطی وغیرہ کے حوالے سے اس کی ایک توجیہ اس میں "الصَّعْقَۃ" کی قراءت سے بھی کی ہے[۲]۔ نتیجہ یہ ہے کہ صرف لیبی مصحف الجماہیریہ میں البقرہ کے (زیر مطالعہ) لفظ کو بحذف الالف اور باقی پانچ مقامات پر باثبات الالف (الصاعقہ) لکھا گیا ہے (الدانی کے مطابق)۔ باقی افریقی اور عرب ممالک کے مصاحف میں تمام (چھ) مقامات پر بحذف الالف ہی لکھا گیا ہے۔ برصغیر کے علم الرسم کے اہتمام والے مصاحف (مثلاً انجمن حمایت اسلام اور الفی قرآن مجید مطبوعہ بمبئی) میں بھی اسے ہر جگہ بحذف الالف ہی لکھا گیا ہے۔

---

[۱] المقنع (للدانی) ص ۱۰، الشاطبی ص ۲۱۔ الضباع نے "الذاریات" والے لفظ میں بھی حذف الف کو "الدانی" اور "ابوداؤد" دونوں کی طرف منسوب کیا ہے۔ مگر المقنع میں اس کا ذکر کہیں نہیں کیا گیا (سمیر الطالبین للضباع ص ۵۱)

[۲] دیکھیے دلیل الحیران (للمارغنی) ص ۲۹۔ نثر المرجان ج ۱ ص ۱۴۷۔

© rasailojaraid.

(۴) "بَعَثۡنٰکُمۡ" جس کا رسم املائی "بعثناکم" ہے۔ قرآن کریم میں بحذف الف بعد النون لکھا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ الف پڑھا جاتا ہے۔ بلکہ اس بارے میں رسم عثمانی کا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں بھی فعل ماضی کے صیغہ جمع متکلم (یا ضمیر تعظیم مرفوع متصل) کے ("نا" کے) بعد کوئی ضمیر منصوب متصل (مفعول ہو کر) آئے گی تو اس (نا) کو حذف الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ عام رسم املائی میں ایسے موقع پر (ضمیر مفعول کے ساتھ) "نا" کو بحذف الف لکھنا غلط سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے فعل کے صیغہ جمع مؤنث غائب ہونے کا التباس پیدا ہوتا ہے۔ تاہم قرآن کریم میں (رسم عثمانی کے مطابق) ایسے تمام مواقع (ضمیر منصوب متصل والے) پر "نا" کو بحذف الف لکھنا ہی درست اور ضروری ہے[1]

۲:۳۵:۴ الضبط

اس قطعہ آیات میں ضبط کے مختلف طریقے درج ذیل نمونوں سے سمجھے جا سکتے ہیں۔ اس میں نون مخفاة، نون متطرفہ اور اقلاب نون مبیم کے ضبط میں خصوصاً دلچسپ تنوع ہے۔

وَاِذْ، اِذْ، اِذْ / قُلْتُمْ، قُلْتُمْ / يٰمُوسٰى، يٰمُوسٰى، يٰمُوسٰى / لَنْ، لَنْ، لَن / نُّؤْمِنَ، نُّؤْمِنَ / لَكَ، لَكَ / حَتّٰى، حَتّٰى، حَتّٰى / نَرَى، نَرَى / اللّٰهَ، اللّٰهَ، اَللّٰهَ، اللّٰهَ / جَهْرَةً، جَهْرَةً، جَهْرَةً، جَهْرَةً / فَاَخَذَتْكُمُ، فَاَخَذَتْكُمُ، فَاَخَذَتْكُمْ / الصّٰعِقَةُ، اَلصّٰعِقَةُ، اَلصّٰعِقَةُ، اَلصّٰعِقَةُ (لیبیا کا ضبط مخصص) / وَاَنْتُمْ، اَنْتُمْ، ءَانْتُمْ / تَنْظُرُوْنَ، تَنْظُرُوْنَ، تَنظُرُونَ / ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ، بَعَثْنٰكُمْ، بَعَثْنٰكُمْ / مِنْ بَعْدِ، مِنْ بَعْدِ، مِنْ بَعْدِ، مِنْ بَعْدِ / مَوْتِكُمْ، مَوْتِكُمْ / لَعَلَّكُمْ / تَشْكُرُوْنَ، تَشْكُرُوْنَ، تَشْكُرُوْنَ۔

[1] قاعدہ کے لیے دیکھئے سمیر الطالبین (للضباع) ص ۳۶۔

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان

کی تازہ ترین تالیف

برعظیم پاک و ہند میں

اسلام کے انقلابی فکر کی تجدید و تعمیل

اور اس سے انحراف کی راہیں

شائع ہو گئی ہے ___ جس میں

- اسلام کے ابتدائی انقلابی فکر اور اس میں زوال کی تاریخ کے جائزے کے بعد
- علامہ اقبال کے ذریعے اس کی تجدید اور مولانا آزاد اور مولانا مودودی کے ہاتھوں اس کی تعمیل کی مساعی اور ان کے حاصل، اور
- "اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں ناگزیر تدریج اور اس کے تقاضوں" کے علاوہ
- اس فکر سے انحراف کی بعض صورتوں پر بھی تبصرہ کیا گیا ہے ___!

سفید کاغذ پر ۱۰۴ صفحات، مع دیدہ زیب ہارڈ کور ___ قیمت فی نسخہ -/۳۰

نیز ڈاکٹر صاحب کی دوسری تازہ تالیف

سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی حال اور مستقبل

اور مسلمانان پاکستان کی خصوصی ذمہ داری

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid